عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں خدا کی شناخت اور اس کی اہمیت

محمد حسین حافظی[1]

اشاریہ:

صراط مستقیم سے گمراہی یہ ہے کہ انسان اپنے انتخاب کو دین کے معیار پر ترجیح دے، حیوانی غرائز کی تکمیل میں حدوحدود کا لحاظ نہ رکھے، دین و شریعت اور خدا و ایمان کا صریح انکار کر دے یا بظاہر دین داری کا لبادہ اوڑھ کر اپنی بے راہ روی کی توجیہات تراشے اور خدا و قیامت کے بارے میں شبہات ایجاد کرے۔ یہ وہ یلغار ہے جس کا ہر نسل شکار ہے۔ عصر حاضر میں ہمارے چھوٹے چھوٹے درسگاہوں سے لیکر بڑے بڑے درسگاہوں (کالجز اور یونیورسٹیز) تک میں مغربی ثقافتی یلغار کا ایک پورا سیلاب بہہ رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ہماری جدید نسلوں کے اذہان مشوش کا شکار ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ لوگ اپنے اہداف کو پانے کے لئے ایسے نظام متعارف کرا رہے ہیں جس کی بنیاد لیبرل اور سکیولر پر مبنی ہے۔ اس سیلاب کے دلدل سے نسل نو کی حفاظت کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ دشمن پوری منصوبہ بندی کے تحت غیر محسوس طریقے سے ان مسموم افکار کو بچوں کی نصابی کتب کا حصہ بنا کر پیش کرنے میں اپنی پوری توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔ جس کا واضح نتیجہ یہ نظر آتا ہے کہ ان درسگاہوں میں زیر تعلیم بچوں کا ذہن ان غلیظ خیالات سے متاثر ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں پڑھنے والے بچوں کے سامنے آج دینی اقدار ٹھوس مجہول کی دیوار بن کر نمایاں ہو رہی ہیں۔ ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے شبہات اور سوالات پیدا ہو رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کی فکری اور عقیدتی تربیت کی حد الامکان کوشش کرنی چاہئے۔ اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو قیامت کے دن ہم سب جواب دہ ہوں گے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر ہم نے اس مقالہ میں نسل نو کو خدا کے تصور کا مختصر تاریخچہ بیان کرنے کے ساتھ خدا کی شناخت اور خدا تک پہنچنے کی آسان راہ کو سلیس اردو میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ توجہ رہے ہم نے اس مطلب کو ثابت کرنے کے لئے عقلی اور منطقی ٹھوس دلائل کے ساتھ قرآن اور سنت سے بھی دلیل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ جدید نسلوں کے اذہان میں پیدا ہونے والے شبہات دور ہو اور دشمن کے مذموم عزائم اپنے مشن میں ناکام رہے۔ مقالہ کے پہلے حصہ میں چند کلیدی الفاظ کے مفہوم کو بیان کیا ہے۔ جیسے دلیل عقلی، دلیل نقلی، عقیدہ و۔۔۔ اسی طرح اس مقالہ میں فطری اور غیر فطری امور میں موجود فرق کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ خداشناسی امور فطری میں سے کیسے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی چند مہم ابحاث کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں: خدا کا تصور، خدا کی شناخت پر عقلی و نقلی، دین کی ضرورت و اہمیت پر عقلی دلیل اور خدا کی ذات کو پہچاننا کیوں ممکن نہیں ہے و۔۔۔

کلیدی الفاظ:

عقلی، نقلی، دلیل عقلی و نقلی، شناخت خدا، خدا کا تصور

---

[1]۔ پی۔ ایچ۔ ڈی اسکالر المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی ایران

تاریخ وصول: ۸/۲/۲۰۲۲ تاریخ تائید: ۵/۴/۲۰۲۲

hmh۸۰۲۲۷۷@gmail.com

مقدمہ:

عقیدہ وہ اساس اور بنیادی چیز ہے جس کی بنا پر انسانی سوچ اور فکر پروان چڑھتی ہے۔ اسلام کے قوانین میں عقائد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ عقیدے کی پختگی اصل میں انسان کی فکری اصلاح ہے اس لئے کہ عقیدہ کی صحیح تربیت سے ہی طاقتور ضمیر پیدا ہوتا ہے، جو کہ منکر سے بچاتا ہے اور معروف پر آمادہ کرتا ہے۔ انسان کے بننے اور بگڑنے کی اصل وجہ اس کا عقیدہ ہے۔

عقائد کے اپنے کچھ مراحل و مراتب ہیں۔ جن میں سب سے پہلے خداوند متعال کی ذات اور اس کی حقیقت کو پہچاننا اور اس کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ جس خدا کو ہم مانتے ہیں، عبادت کرتے ہیں، جس سے عشق اور محبت کرتے ہیں اور اس کی راہ میں مال و دولت خرچ کرتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کہیں ضرورت پڑے تو ہم اپنی قیمتی جان کو بھی اللہ کی راہ میں قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ وہ کون ہے کیسا ہے اس کی ذات اور حقیقت کیسی ہے؟ اس مقالہ میں اس اہم سوال کا جواب عقلی اور نقلی دلیلوں کی روشنی میں اپنے قارئین کرام کی خدمت میں بیان کرنے کوشش کی ہے۔

مفہوم شناسی

عقل:

عقل، معارف بشری کی شناخت کے دلائل میں سے ایک اہم دلیل ہے۔ حکم شرعی کو شابت کرنے کے چار دلائل: کتاب، سنت، اجماع اور عقل ہیں دلیل نقلی کے مقابل میں دلیل عقل آتی ہے۔[۲]

دلیل عقلی: دلیل عقلی سے مراد وہ دلیل ہے جس کے مقدمات عقلی ہوں۔ مقدمات عقلی ہونے کی وجہ سے اس کا نتیجہ بھی عقلی ہو۔ اسے دلیل عقلی کہا جاتا ہے۔[۳]

دلیل نقلی: دلیل نقلی وہ ہے جس کے دونوں مقدمات (صغری و کبری) یا ایک مقدمہ کلام شارع سے لیا ہو۔ جیسے مشکوک الطہارۃ پانی کے بارے میں کیا جاتا ہے وہ پانی جس کے پاک ہونے میں شک ہو شرعا پاک ہے اور تمام پاک پانی کا پینا جائز ہے، لہذا اس مشکوک الطہارۃ پانی کا پینا بھی جائز ہے۔[۴]

عقیدہ:

لغت میں عقیدہ کا مطلب ہے باندھنا، گرہ لگانا؛ یعنی عقیدہ وہ چیز ہے جو حقیقت میں انسانی ذہن، روح اور نفسیات سے جڑی ہوئی ہے۔[۵] اس

۲۔ ولایی، فرہنگ تشریحی اصطلاحات اصول، ۱۳۸۷ش، ج۱، ص۲۲۳.

۳۔ مظفر، اصول الفقہ، ۱۳۷۰ش، ج۱، ص۱۸۹.

۴۔ ایضا

۵۔ لسان العرب، ج۵، ص۶۵

طرح کہا جاسکتا ہے کہ عقیدہ انسانی ذہن میں مثبت ادراک کے حصول کا نام ہے۔[۶]

تصور خدا کا عقیدہ

وہ موجود ذات (جسے عربی زبان میں اللہ، مغرب والے God اور فارسی زبان میں خدا کہتے ہیں) کیسی ذات ہے کیسی صفات کے مالک ہے اور مخلوق کا اس سے کیا رابطہ ہے انسان کا رابطہ اس سے کیسا ہونا چاہئے؟

جب ہم انسانی تفکر کی تاریخ کے اوراق پلٹاتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے خدا کے وجود پر اعتقاد رکھنا اسی وقت سے پایا جاتا ہے جس وقت انسان اس دنیا میں وجود میں آئے دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے بارے میں انسان کا عقیدہ اسی تاریخ سے تھا جس تاریخ کو انسان وجود میں آیا یعنی انسان کی پیدائش کے وقت ہی سے یہ تفکر اور اندیشہ چلا آرہا ہے، لیکن اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ تمام بشر خدا کے بارے میں یکساں اعتقاد رکھتا تھا؛ بلکہ انسانوں کی نظر میں جو اللہ کے وجود اور اس کے بارے جو تصور پایا جاتا ہے اس میں اختلاف رائی بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ ہم یہاں بعض مشہور دانشمند کے نظریات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کا نظریہ بھی پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

سقراط کی نظر میں

سقراط (۴۷۰۔۳۹۹۔ق۔م) یونان کے دوسرے اپنے ہم عصر دانشوروں کی طرح مشرک تھا اور چند خداؤں کے وجود پر اعتقاد رکھتا تھا۔ جس طرح فلسفے کی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے انسان کو سعادت حاصل کرنے کیلئے خدا پر اعتقاد رکھنا اور اس کی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے اگرچہ سقراط اس بات پر اعتقاد رکھتا ہے کہ جب تک انسان اخلاقی اصولوں کی پاسداری نہیں کرتا کمال تک نہیں پہنچ سکتا ہے، لیکن اس کا تعلق خدا سے جوڑنے کا قائل نہیں ہے۔[۷]

افلاطون کی نظر میں

افلاطون (۴۲۸/۷۔۳۴۸/۷ق۔م) دو موجود کو خدا کے عنوان سے یاد کرتا ہے ایک کو خیر مطلق اور دوسرے کو صانع کا عنوان دیتا ہے۔ افلاطون خیر مطلق کو اصلی خدا تصور کرتا ہے اور اسے باپ کے نام سے یاد کرتا ہے اور دوسرے عنوان صانع کو بیٹے کے نام سے پکارتے ہیں افلاطون کے عقیدے کے مطابق خیر مطلق کی شناخت حاصل کرنا اور اسے پہچاننا بہت دشوار کام ہے ساتھ ہی افلاطون اس بات کا معتقد بھی ہے کہ خدا کے یہ دونوں وجود خیر مطلق اور صانع صرف فلاسفرز کیلئے ان کی شناخت کرنا اور ان کی معرفت حاصل کرنا ممکن ہے کیونکہ فلاسفرز کچھ خاص، جسمی اور ذہنی خصوصیات کے مالک ہوتے ہیں فلاسفرز بھی اپنی عمر کے آخری اسٹیج میں پہنچ کر ان کو سمجھ سکتے ہیں ان کے علاوہ باقی دوسرے لوگوں کیلئے ان دونوں وجود خیر مطلق اور صانع کا درک کرنا اور سمجھنا تقریبا ناممکن ہے۔[۸]

---

[۶]۔ سید محمد حسین طباطبایی، المیزان، ج ۴، ص ۱۱۷

[۷]۔ شیروانی، علی، درسنامہ عقاید، ص ۶۳

[۸]۔ ایضا

ارسطو کی نظر میں

ارسطو(۳۸۴/۳۔ ۳۲۲/ا ق۔م) کے عقیدے کے مطابق کائنات اور جہاں ہمیشہ سے تھا اور کسی نے اسے وجود میں نہیں لایا ہے ارسطو کے اس عقیدے کے مطابق جہاں کا جو خالق حقیقی خدا ہے کو نہیں مانتا ہے یعنی ارسطو کہتا ہے خدا خالق جہان نہیں ہے بلکہ محرک جہاں ہے لہذا ارسطو کا خدا کے بارے میں جو تصور ہے اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خدا کی ہم عبادت نہیں کر سکتے، محبت نہیں کر سکتے اور خدا سے مدد کی امید بھی نہیں رکھ سکتے ہیں۔[۹]

قرون وسطی کے عیسائی دانشمندوں کی نظر میں

قرون وسطی میں خدا کے بارے میں عیسائی کلیسا کی طرف سے جو تصور پیش کیا گیا اس کے مطابق زیادی تر دانشمندوں کا یہ خیال تھا کہ خدا کو مجہولات میں تلاش کرنا چاہئے مثلا خوف کا نظریہ یا جہل کا نظریہ اسی کے مصادیق تھے۔[۱۰]

ا۔ نظریہ ترس(خوف)

نظریہ ترس کو بیان کرتے ہوئے فروید کہتا ہے کہ لوگوں کا خدا پر عقیدے کی اصل وجہ یہ ہے کہ پرانے زمانے میں لوگ کائنات کے طبعی حوادث سے خوف کھاتے تھے، مثلا جب کہیں سیلاب، طوفان، زلزلہ اور بڑی خطرناک جان لیوا بیماریاں سمیت بہت سارے طبیعی حادثات پیش آتے تھے جن کو دیکھتے ہوئے لوگ اپنے آپ کو مکمل مایوسی کے گرداب میں حیران وپریشان پاتے تھے اور اس مایوسی وپریشان سے چھٹارا پانے کے لئے انہوں نے اللہ کے نام سے ماواء طبیعت ایک ایسی ہستی کو اپنا خالق ومالک تصور کیا جو سب سے بڑا طاقتور اور شجاع ہو، تاکہ اس طریقے سے وہ اپنا خوف اور ڈر دل سے نکال سکیں۔ فروید کے اس نظریئے کے مطابق خدا انسان کا خالق ہونے کے بجائے مخلوق ہو گا، کیونکہ روز پیش آنے والے حوادث سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے پہلے انسان ایک ہستی کو ذہن میں لاتا ہے جو بہت طاقتور ہے اور اس تصور کے بعد اس کے سامنے خضوع وخشوع اور فروتنی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اسی کے سامنے جھکتا ہے، عبادت دعا کرتا ہے اور جہاں قربانی دینی پڑے تو وہاں قربانی بھی دے دیتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا فروید کا یہ نظریہ صحیح ہے؟

جی نہیں، کیونکہ: یہ صرف فرضی باتیں ہیں۔ اس پر کوئی خاص دلیل موجود نہیں ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ خدا کی طرف سے جتنے بھی دین لانے والے آئے، جن کو ہم پیغمبر کہتے ہیں سب بہت ہی شجاع اور طاقتور تھے۔ بالفرض اگر دین پر اعتقاد رکھنا حوادث طبعی کے ڈر سے محفوظ رہنے کے لئے ہے تو حوادث طبعی سے خوف کھانے والے تمام لوگوں کو دیندار ہونا چاہیے تھا، جب کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ بہت سارے لوگ حوادث طبیعی سے خوف کھانے کے باوجود بھی بے دین ہیں۔ اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ حوادث طبیعی سے خوف نہ کھانے والے بہت سارے

---

[۹]۔ ر۔ک۔ رضا برنجکار، مبانی خداشناسی در فلسفہ یونان وادیان الہی، صفحہ ۸۱۔ ۱۰۳۔

[۱۰]۔ شیروانی، علی، درسنامہ عقاید، ص ۶۵

دیندار دنیامیں موجود ہیں۔ چونکہ عصر حاضر میں ان حوادث طبیعی پر کسی حد تک کنٹرول ہو چکا ہے۔[11]

۲۔ نظریہ جہل

اس نظریئے کو پیش کرنے والوں کا کہنا یہ ہے کہ پرانے زمانے میں آج کی طرح علمی پیشرفت نہیں تھی۔ اس زمانے میں سائنس نامی کوئی چیز نہیں تھی۔ لوگ بہت ساری چیزوں کی علتوں سے آگاہی نہیں رکھتے تھے، مثلاً زلزلہ آنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے یا چاند گرہن اور سورج گرہن اور مختلف قسم کے طوفانی بارشوں کے آنے کی وجہ معلوم نہیں تھی، لہذا اس جہل و نادانی کی وجہ سے پرانے زمانے کے لوگ کہتے تھے کہ یہ ساری چیزیں خدا کی وجہ سے رونما ہوئی ہیں۔ جب وہ لوگ ان چیزوں کی علت معلوم نہیں کر پاتے تھے تو ان کی نسبت خدا کی طرف دیتے تھے اور ساتھ یہ کہا کرتے تھے کہ خداوند کو ناراض نہیں کرنا چاہیے، لہذا خدا کی رضایت کو حاصل کرنے کے لیے اس کے سامنے جھکنا، فروتنی کے ساتھ پیش آنا، اس کے حضور دعا کرنا اور قربانی کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

یہ نظریہ بھی غلط ہے، کیونکہ اگر خدا پر اعتقاد کی بنیاد جہالت ہے تو اب اس زمانے میں سائنس نے ساری چیزوں کی علتوں کو کشف کیا ہے، لہذا سائنس کے دور میں کسی بھی شخص کو دیندار نہیں ہونا چاہیے، جب کہ گزشتہ زمانوں کی نسبت عصر حاضر کے لوگوں کا شعور خدا کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کے علاوہ اگر گزشتہ زمانوں میں لوگ جہالت کی وجہ سے خدا پر اعتقاد رکھتے تھے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دانشمند اور علماء کو خدا پر اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے تھا، کیونکہ عالم اور دانش مند تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس زمانے میں بہت سارے عالم اور دانشمند خدا پر اعتقاد رکھتے تھے۔[12]

۳۔ اسلامی نقطہ نظر

اسلامی نقطہ نظر سے خدا کی شناخت اور پہچان سمجھنے کے لئے ضروری ہے

ہمیں پہلے اس نکتے کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے کہ مذکورہ سؤالات دو طرح سے پیش آسکتے ہیں:

۱۔ خدا کی ذات اور حقیقت کیسی ہے؟

۲۔ خدا کا کیا کوئی وجود بھی ہے؟

اگر مذکورہ سؤالات خدا کی ذات کے متعلق ہو، یعنی یہ مراد ہو کہ خدا جیسا ہے ویسا ہی بیان کرو، خدا کی حقیقت سے آگاہی مراد ہو تو جواب میں ہم کہیں گے کہ خدا کی ذات اور حقیقت کا تو کسی کو بھی علم نہیں ہے۔ اس لیئے کہ ذات الٰہی کے علاوہ باقی ساری چیزیں مخلوق خدا ہیں اور جو مخلوق ہے وہ محدود ہوتی ہے۔ خدا کی ذات لامحدود ہے، لہذا انسان جو محدود ہے لامحدود ذات پروردگار کو درک نہیں کر سکتا اور یہ ممکن بھی نہیں ہے۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ اگر کوئی شخص ایک کوزہ میں پورے سمندر کا پانی سمونا چاہیے تو یہ ممکن نہیں ہے، کیونکہ کوزہ کی نسبت سمندر کا

---

[11]۔ شیروانی، علی، درسنامہ عقاید، ص ۴۳۔ ۴۴

[12]۔ شیروانی، علی، درسنامہ عقاید، ص ۴۵

دائرہ وسیع ہوتا ہے۔ جبکہ کوزہ کا دائرہ سمندر کے نسبت محدود ہوتا ہے اور اس کی ظرفیت سمندر کی نسبت کم ہے۔ اسی طرح ذات خداوند کا دائرہ ہر لحاظ سے وسیع ہے۔ چاہے علم کے لحاظ سے ہو یا قدرت کے لحاظ سے۔ جبکہ انسان اس کی مخلوق ہونے کی وجہ سے محدود ہے۔ اسی وجہ سے خدا کی ذات اور حقیقت کو درک کرنا انسان کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی ذات کے بارے میں تفحص اور جستجو کرنا انسان کی ذمہ داری بھی نہیں ہے؛ یعنی انسان کا وظیفہ نہیں ہے کہ وہ اس بات میں تحقیق کرے کہ ذات خدا کیسی ذات ہے خدا کی حقیقت کیسی ہے، چونکہ ہر فریضہ کے وجوب کے لئے شرط یہ ہے کہ انسان اس فریضہ کے انجام دینے پر استطاعت، طاقت اور قدرت رکھتا ہو۔ اسی وجہ سے تمام شرعی احکامات میں قدرت کی شرط ہمیں نظر آتی ہے۔ مثلاً حج انسان پر اس وقت واجب ہوتا ہے جب وہ مستطیع ہو؛ یعنی اس کے پاس اتنا پیسہ آجائے کے حج پر جانے اور آنے کا اس کے پاس خرچہ ہو اور اس طرح وہ حج پر جانے کی قدرت بھی رکھتا ہو، لیکن جو قدرت اور استطاعت نہیں رکھتا اس پر حج واجب نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا فرمان ہے: لا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفسًا إِلّا وسعها[13]؛ اللہ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا۔ اسی طرح اللہ تعالی کی ذات پر تحقیق اور جستجو کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب انسان اسے درک اور سمجھنے کی قدرت رکھتا ہو۔ جب کہ انسان مخلوق ہونے کی وجہ سے محدود ہے اور جو محدود ہے اس کی طاقت میں نہیں ہے کہ وہ کسی لا محدود ذات کو درک کر سکے۔

نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ کا ایک خوبصورت جملہ ہے جس میں آپ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الذي لا يُدرِكُهُ بُعدُ الهِمَمِ، و لا يَنالُهُ غَوصُ الفِطَنِ [14]؛ نہ بلند پرواز ہمتیں اسے پا سکتی ہیں، نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہہ تک پہنچ سکتی ہیں۔

بعض مواقع میں رہبران دین، اللہ کے برگزیدہ لوگ اور ہمارے امامان معصومینؑ نے ہمیں مختلف مقامات پر ذات اور کنہ پروردگار کے بارے میں فکر کرنے سے منع کیا ہے۔ مثلاً مرحوم شیخ صدوقؒ کی لکھی ہوئی کتاب (کتاب توحید) میں ایک پورا باب تفکر فی ذات اللہ کے بارے میں آیا ہے۔ اس میں معصومؑ کی ایک روایت بیان ہوئی ہے جس میں فرماتے ہیں : إيّاكُم و التَّفَكُّرَ في اللّه ؛ فإنَّ التَّفَكُّرَ في ا للّهِ لا يَزيدُ إلاّ تيها۔[15]؛ اللہ کی ذات اور کنہ کے بارے میں فکر نہ کرو، کیونکہ اللہ کی ذات اور ماہیت میں غور و فکر کرنے سے انسان کی حیرانی میں اضافہ ہونے کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

بعض دوسری روایات میں ائمہ معصومینؑ نے خدا کی ذات کے بارے میں تفکر کی بات کرتے ہوئے فرمایا: (فَامسِكوا)؛ رک جاؤ۔ پس معلوم ہوا خدا پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے کے لئے کافی ہے کہ خدا کے وجود، اس کی صفات اور کمالات پر علم ہو۔

پس ایمان اور عبادت کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالی کی ذات اور حقیقت کا انسان کو علم ہو، کیونکہ:

۱۔ انسان مخلوق ہونے کی وجہ سے محدود ہے اور محدود شئ لا محدود شیئ کو درک نہیں کر سکتی۔

۲۔ ذات و حقیقت الہی کی تلاش اور اس کی جستجو کرنا انسان کا وظیفہ نہیں ہے۔ اس لیئے کہ یہ اس کی طاقت اور استطاعت سے باہر ہے اور جو چیز

---

[13]۔ بقرہ: ۲۸۴۔

[14]۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱

[15]۔ قزوینی، ملا خلیل بن غازی، الشافی فی شرح الکافی، ج ۲، ص ۱۵۲

انسان کی استطاعت اور قدرت میں نہ ہو اس پر اللہ کسی وظیفے کو واجب بھی نہیں کرتا۔

۳۔ خدا کے تمام پیغمبر اور ائمہ معصومینؑ نے بھی اللہ کی کنہ اور ذات میں تفکر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اعتراض

اگر کوئی شخص اشکال کرے اور کہے یہ ہماری عقل کے خلاف ہے کہ انسان خدا کو پہچانے اور درک کئے بغیر اس سے عشق و محبت کرے۔ اس کی عبادت و اطاعت کو اپنے اوپر فرض سمجھے، جب انسان خدا کو درک کرے گا اسے علم ہو جائے گا کہ وہ کیسا ہے اس کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے تو وہ بغیر کسی شک و شبہ کے اس کی اطاعت کرے گا۔ یہی صورت حال انسانی معاشرتی زندگی میں بھی نظر آتی ہے۔ اس جہاں میں بھی انسان اسی سے دوستی، عشق اور محبت کرتا ہے جسے وہ جانتا ہو۔ اس کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ ہو، لیکن وہ شخص جسے وہ نہیں جانتا ہو کہ کون ہے کہاں کا رہنے والا ہے، اس سے عشق اور محبت کرنا تو دور کی بات، وہ اس کے قریب بھی جانا پسند نہیں کرے گا۔ بالکل اسی طرح خدا کو جانے بغیر اس سے عشق، محبت اور اس کی عبادت و اطاعت کرنا عقل کے خلاف ہے۔

اعتراض کا جواب

اس اعتراض کے جواب میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس خدا پر ہم ایمان لائے ہیں اور جس ذات کو ہم مستحق عبادت، محبت، عشق اور لائق احترام و اطاعت سمجھتے ہیں اس ذات کے موجود ہونے کا ہمیں علم ہے اگرچہ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ اس کی ذات اور ماہیت کیا ہے، لیکن خدا کے وجود پر بہت سارے عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں۔ ان دلائل کی روشنی میں اللہ تعالی کا وجود ہمارے لئے روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالی کی صفات جلالیہ اور جمالیہ کا بھی علم ہے۔ ہم جانتے ہیں جس خدا کی عبادت کر رہے ہیں وہ قادر مطلق اور عالم مطلق ہے۔ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ وہ رازق ہے۔ وہ ایسی ذات ہے جو انسان کے لئے شکم مادر سے لے کر مرنے دم تک رزق کا بندوبست کرتا ہے۔ وہ رحمن ہونے کے ساتھ ساتھ رحیم بھی ہے۔ لہذا یہ کہنا غلط ہو گا کہ جب تک خدا کی ذات اور کنہ کا انسان کو علم نہ ہو اس کی عبادت کرنا اور اس پر ایمان لانا صحیح نہیں ہے۔ بے شک انسان خدا کی مخلوق ہونے کی وجہ سے خدا کی ذات اور اس کی ماہیت کو درک کرنے سے قاصر ہے، لیکن اس کے وجود، کمالات اور صفات کو ہم دلیل کے ساتھ ثابت کر سکتے ہیں یہی اللہ تعالی پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے۔

علماء کا ایک خوبصورت جملہ ہے (ندانستن چیستی چیزی دلیل بر نیستی او نیست) یعنی کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت کا نہ جاننا اس بات پر دلیل نہیں ہے کہ وہ وجود نہ رکھتی ہو۔ ہمیں اسی دنیا میں اس کی بہت ساری مثالیں نظر آتی ہیں:

الف) روح کی حقیقت اور وجود

دنیا میں مختلف علمی رشتوں سے منسلک لوگ، علمی اور تحقیقی میدان میں نظریہ اور تھیوریز پیش کرنے والے محققین نے مختلف دلیلوں کے ذریعے روح کے وجود کو ثابت کیا ہے اور ساتھ ہی روح کی مختلف خصوصیات کو بھی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ جیسے کہ فلسفی حضرات کہتے ہیں:

۱۔ روح مجرد ہے مادی نہیں ہے۔

۲۔ روح صرف کلیات کو درک کر سکتی ہے۔

۳۔ کسی چیز کی تصویر جو انسان کے ذہن میں چھپتی ہے وہ روح کی وجہ سے ہے۔

۴۔ انسان اپنی روح کے ذریعے مختلف چیزوں کا محسوس کرتا ہے، لیکن آج تک کوئی بھی دانشور یا فلسفی مفکر یہ ثابت نہ کر سکا کہ روح کی حقیقت اور ذات کیا ہے۔

ب) فرشتوں کی حقیقت اور وجود

فرشتوں کے وجود پر ہر انسان یقین رکھتا ہے۔ چنانچہ قرآن اور روایات کے متعدد مقامات پر فرشتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ بعض جگہوں پر ان کی خصوصیات بھی بیان ہوئی ہیں، لیکن فرشتوں کی حقیقت اور ماہیت کا کسی کو علم نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں جانتے ہیں کہ فرشتہ کیسا ہے، اس کی شکل اور قد و قامت کیسی ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرشتے وجود رکھتے ہیں۔

ج) جن کی حقیقت اور وجود

ہم سب جانتے ہیں کہ دنیا میں جن نامی مخلوق پائی جاتی ہے۔ قرآن اور روایات کے متعدد مقامات پر جن کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ قرآن پاک میں ایک پورا سورہ، سورہ جن کے نام سے آیا ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جن وجود رکھتا ہے اور جن کی خصوصیات بھی کتابوں میں ملتی ہیں، لیکن اس کی حقیقت اور ماہیت کا کسی کو علم نہیں ہے۔ ہم نہیں جانتے ہیں کہ جن کیسا ہے۔ ان مثالوں کے علاوہ اور بھی بہت ساری مثالیں اس دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں موجود ہیں جو وجود تو رکھتی ہیں، لیکن ہم ان کی حقیقت اور ماہیت سے آشنائی نہیں رکھتے۔

بالکل اسی طرح عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے ہم اللہ تعالی کے وجود اور اس کی صفات پر علم رکھتے ہیں، لیکن اس کی ذات اور ماہیت کے بارے میں ہم نہیں جانتے۔ لہذا اس خدا پر ایمان لانا، اعتقاد رکھنا، اس سے محبت کرنا، عشق کرنا اور اس کی اطاعت و عبادت کرنا صحیح ہے اور انسان کی عقل سلیم بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ اکثر دینی منابع میں نظر آتا ہے کہ فلاں مسئلہ امور فطری میں سے ہے لیکن خود فطرت کی وضاحت کم ملتی ہے عقاید کے ابحاث میں بھی پہلے فطرت کا مفہوم اور معنی کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مقالے کے شروع میں امور فطری اور غیر فطری میں فرق کو بیان کریں گے۔ فطرت کی بحث کے بعد اپنے قارئین کرام کی خدمت میں اس بات کی وضاحت کی جائے گی کہ خدا شناسی اور دین کی شناخت امور فطری میں سے ہے یا نہیں۔

فطری اور غیر فطری امور میں فرق

ہر وہ فکر یا عمل جو جغرافیہ، اقتصاد یا سیاست کے زیر اثر معرض وجود میں آتا ہے، اس کا سرچشمہ فطرت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اس کا سرچشمہ وہ عوامل ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ فکر یا عمل وجود میں آتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ لوگ جو ٹھنڈی اور سرد جگہوں میں زندگی بسر کرتے ہیں وہ سردی سے بچنے کے لیے گرم اور موٹے کپڑے پہنتے ہیں۔ جب کہ گرم علاقوں میں رہنے والوں کو موٹے اور زخیم کپڑوں کی ضرورت نہیں ہوتی؛ بلکہ ان کو پتلے اور نازک کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں فطرت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، بلکہ یہ تبدیلی صرف جغرافیائی آب و ہوا کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ممالک اور قوموں میں ان کی اپنی خاص رسومات اور مختلف ثقافت ہوتی ہے، مثلا

شادی کے موقع پر ہر ملک میں دلہن کو مختلف رنگ کے کپڑے پہنائے جاتے ہیں، جیسے کہ پاکستان میں دلہن کو لال اور رنگ برنگے کپڑے پہنائے جاتے ہیں؛ لیکن کچھ ممالک میں دلہن کو سفید کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ اسی طرح جب کوئی عورت بیوہ ہو جاتی ہے تو بعض ملکوں میں بیوہ کو سفید کپڑے پہنائے جاتے ہیں تو دیگر بعض جگہوں میں بیوہ کو کالے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ اگر یہ رسومات فطری ہوتیں تو ہر جگہ ایک ہی قسم کے کپڑے پہنائے جاتے نہ کہ مختلف قسم کے کپڑے۔ اگر ہم فطری امور اور غیر فطری میں فرق دیکھنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ فطری امور ذیلی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں:

۱۔ ہر وہ فکر یا عمل جس کا ریشہ اور بنیاد، جہانی ہو اس پر امور فطری کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

۲۔ فطری امور تعلیم و تعلم کے محتاج نہیں ہوتے۔

۳۔ قومیت، زبان، ثقافت اور فرہنگ امور فطری پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

۴۔ زمانے کی تبدیلی بھی فطری امور پر اثر انداز نہیں ہوتی ہے، مثلاوہ ایک صدی میں ہوں اور دوسری صدی میں نہ ہوں ایسا ممکن نہیں ہے۔

۵۔ فطرت کے خلاف اگر کوئی تبلیغ کرے تو فطری امور کے رشد و نمو میں کمی تو آسکتی ہے؛ لیکن ان امور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ممکن نہیں ہے۔[۱۶]

دین کے فطری ہونے سے کیا مراد ہے؟

اکثر و بیشتر اسلامی کتابوں میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ خدا کی پہچان اور اس کی تلاش فطری امور میں سے ہے دیکھنا یہ ہے کہ فطرت کی مذکورہ خصوصیات اس میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کو پہچاننے کی جستجو انسانی فطرت کی آواز ہے۔ کیونکہ کسی بیرونی عامل کی وجہ سے انسان خدا کی تلاش نہیں کرتا؛ بلکہ اس کا سبب وہ باطنی احساس ہے جسے بعض لوگ انسانی ضمیر سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یہ احساس کسی علاقے یا خاص ملک کے لوگوں کے ساتھ مخصوص بھی نہیں ہے بلکہ یہ تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ احساس تب تک زندہ رہتا ہے جب تک انسانی فطرت سالم ہو لیکن اگر انسان کی تربیت کے فقدان یا گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اس کی فطرت سالم نہ رہے اور اس کی فطرت پر پردہ پڑ جائے تو ایسی صورت میں اس کے اندر سے یہ احساس ختم ہو جائے گا۔ اسی احساس کا نتیجہ ہے کہ جب انسان کسی ایسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے جس سے نکلنے کا کوئی ذریعہ موجود نہ ہو، ہر چیز سے وہ ناامید اور مایوس ہو جائے تو ایسی حالت میں انسان کے دل میں صرف یہ احساس رہتا ہے کہ اب بھی کوئی ایسی طاقت موجود ہے جو مجھے اس گرفتاری سے نجات دلا سکتی ہے۔ اسی امید اور احساس کا نام خدا ہے۔ لہذا خدا کی طرف مائل ہونا اور خدا کے وجود کا احساس کرنا ایک باطنی اور فطری امر ہے جسے سیکھنے اور سکھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بہت سارے احساسات ایسے ہیں جنہیں سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ یہ احساسات انسان کے دل میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے انسان کی ایک خاص عمر گزر جانے کے

---

[۱۶]۔ استادی، شیخ رضا، اصول عقاید، ص ۲۵۔۲۶۔

بعد وہ مال و دولت اور مقام و منصب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ان کو حاصل کرنے کے لئے دن رات محنت اور کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح خدا کے وجود کا احساس بھی ایک ایسی چیز ہے جسے سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ انسان اس پاکیزہ احساس کی اچھی طرح حفاظت کرے۔ اگر انسان نے اس کی حفاظت کرنے میں کوتاہی کی تو ممکن ہے خدا کے وجود کا یہ احساس انحرافات میں بدل جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فطری خدا جوئی کے احساس کو انسان اپنے اندر کیسے زندہ رکھ سکتا ہے یعنی اس کی حفاظت کیسے کی جاسکتی ہے؟

جواب واضح ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ انسان ہمیشہ اللہ کی طرف سے معین شدہ رہبروں (اہل بیتؑ) کے دامن کو تھامے رکھے۔ اگر انسان ان الٰہی رہبروں سے راہنمائی نہ لے تو یہی احساس اسے بت پرستی کی طرف دھکیل دے گا۔ عصر حاضر میں انہیں انحرافات کی وجہ سے دنیا میں ہزاروں قسم کے مذہب موجود ہیں؛ لہذا جب کہا جاتا ہے امور فطری کو سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فطری امور کسی بیرونی عامل کی وجہ سے وجود میں نہیں آتے، بلکہ خود بخود یہ احساسات انسان کے دل میں پیدا ہو جاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ انسان ان امور کی طرف راہنمائی کرنے والے رہبر اور پیشوا سے بھی بے نیاز ہوتا ہے، بلکہ جب تک انسان الٰہی نمائندوں کے دکھائے ہوئے راستے پر نہیں چلتا تب تک وہ فطرت کے امور کو اپنی زندگی میں عملی جامہ نہیں پہنا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ عملی اور تحقیقی شعبوں میں کام کرنے والے دانشمندوں کا کہنا ہے کہ بت، سورج، اور گائے وغیرہ کی پرستش کی بنیادی وجہ خدا کے وجود کا احساس ہی ہے، لیکن ان کو صحیح رہنما اور درست راستے کی نشاندہی کرنے والے کی پہچان اور معرفت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا یہ پاکیزہ احساس انحراف میں بدل چکا ہے۔ اس وضاحت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ہم کہتے ہیں دین انسانی فطرت کے ساتھ ہماہنگ ہوتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ دین کی جڑیں اور دین کی شاخیں اسی طرح اخلاق، معارف اور دین کے تمام اساس و مبانی انسانی فطرت کے ساتھ ہماہنگ ہیں۔ انسان جس عمر کا بھی ہو اور جہاں کہیں کا رہنے والا ہو اور کسی بھی زمانے کے ساتھ اس کا تعلق ہو یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ میں کون ہوں کہاں سے آیا ہوں کیوں آیا ہوں اور کہاں جانا ہے؟ یہ ہے خدا کی تلاش۔ مخفی نہ رہے کہ انسان اپنے ان سوالات کے جوابات کو پانے کے لئے ایک رہنما کی ضرورت بھی محسوس کرتا ہے تاکہ وہ اسے حق اور باطل کی نشان دہی کرے۔ یہی مسئلہ امامت اور نبوت کی جڑ شمار ہوتا ہے۔

ہر زمانے کا انسان اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کائنات میں انسانوں کے درمیان عدالت موجود نہیں، کچھ ظالم ہیں تو کچھ مظلوم، لہذا عقلی طور پر انسان اس ضرورت کا بھی احساس کرتا ہے کہ ایک ایسی جگہ ہونی چاہئے جہاں مظلوموں کو انصاف ملے اور ظالموں کو اپنے کئے ہوئے ظلم کی سزا ملے یہ وہی قیامت، حساب و کتاب کی حس ہے، جو ہر انسان خواہ اس کا تعلق دنیا کے کسی بھی مذہب سے ہو احساس کرتا ہے۔[۱۷]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا، رسول، امام اور معاد پر عقیدہ رکھنا ایک فطری عمل ہے تو دنیا میں بہت سے لوگ بے دین ہیں وہ خدا، رسول اور معاد پر ایمان نہیں رکھتے اس کی کیا وجہ ہے؟

۱۷۔ قرائتی، محسن، تلخیص اصول عقاید، ص ۲۴۔۲۵

جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دین اسلام اور اس کی پاکیزہ تعلیمات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں؛ لیکن کچھ انسان اللہ تعالی کی ذات پاک کو اچھی طرح پہچاننے میں غلطی کر جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ خدا پر اعتقاد نہیں رکھتے، جیسے شیر خوار بچہ دنیا میں آتے ہی اپنی ماں کے پستان کو ڈھونڈتا ہے جو کہ ایک فطری عمل ہے؛ لیکن اگر اس کے منہ میں ماں کے پستان کی جگہ کوئی اور چیز رکھ لیں تب بھی وہ اسے اپنی ماں کا پستان سمجھ کر چوسنے لگتا ہے۔ یا کبھی انسان ایسا کام کر جاتا ہے جو فطری امور کو پنہان کر دیتا ہے جس کی وجہ سے اسے امور فطری کو غیر فطری سے جدا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مقالے کے دوسرے حصے میں ہم مندرجہ ذیل چند اہم سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

۱۔ خدا کو پہچاننا کیوں ضروری ہے؟

۲۔ خدا کو کن راستوں سے پہچاننا ممکن ہے؟

۳۔ خدا کی ذات کو پہچاننا کیوں ممکن نہیں ہے؟

خدا کی پہچان

ہم سب جانتے ہیں کہ پوری تاریخ میں انسان ایک صانع پر عقیدہ رکھتا تھا۔ خالق پر عقیدہ رکھنا ایک پرانا عقیدہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے دانشور، محققین، فلاسفرز، مفکرین، علمی شخصیات اور علم دوست حضرات دنیا کے ایک صانع اور بنانے والے پر اعتقاد رکھتے تھے اور رکھتے ہیں، جو قادر اور توانا ہے جس کی قدرت اور طاقت کو ہم اس کائنات میں دیکھ سکتے ہیں۔ کائنات کی خوبصورتی، رنگ برنگے پھول، بہتا ہوا شفاف پانی، مضبوط اور شان سے کھڑے ہوئے پہاڑ اور خود انسان اس خالق کی نشانیاں ہیں۔ جنہیں اس خالق نے اپنی حکمت اور دانش کے ذریعے، ایک نقشے کے تحت اور خاص انداز سے بنایا۔ جیسا کہ سورہ مبارکہ بقرہ میں اللہ تعالی کا فرمان ہے: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ[۱۸]؛ بیشک زمیں و آسمان کی خلقت، شب و روز کی رفت و آمد، ان کشتیوں میں جو دریاؤں میں لوگوں کے فائدے کے لیے چلتی ہیں اور اس پانی میں جسے خدا نے آسمان سے نازل کر کے اس کے ذریعہ مردہ زمینوں کو زندہ کر دیا ہے اور اس میں طرح طرح کے چوپائے پھلا دئے ہیں اور ہواؤں کے چلانے میں اور آسمان و زمین کے درمیان مسخر کئے جانے والے بادل میں صاحبان عقل کے لئے نشانیاں پائی جاتی ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ؛ خود تمھارے اندر بہت ساری نشانیاں پائی جاتی ہیں کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو۔ اس کے علاوہ تاریخ میں ایسی پاک و پاکیزہ شخصیات بھی گزری ہیں جو ہر قسم کی برائی اور گناہوں سے دور تھیں اور وہ لوگ اپنے آپ کو سفیر ان اور پیغمبر خدا کہا کرتے تھے، جو اپنی رسالت اور ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے ہر قسم کی فداکاری کے لئے تیار رہتے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ اپنی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے اپنی زندگی کی بازی ہار گئے۔ ان کی فداکاری سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کا اعتقاد اور ان کی باتیں سچ پر مبنی تھیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ یہ تو ان کا اپنا عقیدہ تھا جس پر وہ چلتے تھے ہم کیوں ان کے عقیدہ پر چلیں؟ تو ہم ان سے یہ پوچھیں گے کہ طول

---

[۱۸]۔ بقرہ: ۱۶۴

تاریخ میں انسان کی اکثریت خالق کے وجود پر یقین رکھتی تھی کیا یہ باعث نہیں بنے گا کہ ہم یہ احتمال دیں کہ شاید خالق کا وجود ہو۔ کوئی بھی شخص اس احتمال کا انکار نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ ہر انسان کی عقل اور اس کا ضمیر اس انکار کو قبول نہیں کرے گا۔ ان ساری باتوں کے باوجود اگر کوئی اس احتمال سے انکار کرے تو وہ ہمیشہ اس خوف میں مبتلا رہے گا کہ شاید ان لوگوں کا عقیدہ صحیح ہو اور میں غلطی پر ہوں۔ شاید بعد میں، میں دردناک عذاب میں مبتلا ہو جاؤں، پس اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر خالق کے بارے میں جستجو نہ کریں، تلاش نہ کریں تو شاید آخرت میں ضرر ہو۔ ہر عاقل انسان اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ضرر کو ختم کرنا ضروری ہے، گرچہ وہ ضرر احتمالی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ایک فطری اور طبیعی چیز ہے کہ انسان ضرر سے دور بھاگتا ہے اور فائدے کی طرف جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ جب انسان کو کوئی بری خبر ملتی ہے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے چاہیے وہ بری خبر سچی ہو یا نہ ہو۔ جب تک وہ تحقیق نہ کرے اسے سکون آور چین نہیں ملتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کو کوئی چھوٹا سا بچہ خبر دے کہ اس کا گھر جل رہا ہے، اس کے گھر میں آگ لگی ہے تو وہ شخص اس چھوٹے سے بچے کی بات سن کر اپنے گھر کی طرف بھاگے گا، پس یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم بڑے بڑے دانشمندوں اور پیامبران الٰہی کی باتیں سن کر بھی ضرر احتمال پر اعتناء نہ کریں اور خدا کی تلاش اور اس کے بارے میں تحقیق نہ کریں۔ اس دنیاوی زندگی میں بھی ہمیں ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مختلف مذاہب اور مکاتب فکر ہمیں اپنی طرف دعوت دیتے ہیں، لیکن چونکہ ہمارا مستقبل، ہماری نیک بختی اور بد بختی، ہماری ترقی اور ہماری پستی کا دارومدار بہترین اور صحیح راہ کے انتخاب کرنے پر ہے؛ لہذا ہمارے لیئے ضروری ہے کہ ہم اس کے بارے میں غور و فکر سے کام لیں اور ایک ایسی راہ کا انتخاب کریں جو ہماری ترقی اور تکامل کا باعث ہو اور ایسی راہ سے اجتناب کریں جو ہمارے لیئے بد بختی اور تنزلی کا سبب بن رہی ہو۔ یہ ایک بہترین دلیل ہے جو ہمیں اس کائنات کے خالق میں غور و فکر اور اس کی معرفت حاصل کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ[19]؛ پس میرے بندوں کو بشارت دے دو یہ وہ لوگ ہیں جو باتوں کو غور سے سنتے ہیں اور ان میں سے سب سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔

خدا شناسی کا آسان راستہ

خدا کی معرفت حاصل کرنے کے بہت سے ذرائع اور مختلف طریقے ہیں۔ خدا شناسی کا آسان راستہ جہان میں خدا کی آیات پر غور و فکر اور قرآن کی تعبیر کے مطابق آیات الٰہی میں تفکر کرنا ہے۔ زمین و آسمان اور انسان کا وجود بلکہ کل جہان کی ہر شی ایک مطلوب و مقصود نشانی کے وجود سے آشنا ہے۔ یہی کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے اسی کی نشانیوں میں سے ہے، کیا ایسا نہیں ہے کہ اس کے مطالعہ سے اس کے مؤلف اور اس کے ہدف سے آپ آشنا ہوں گے کیا آپ یہ احتمال دے سکتے ہیں کہ یہ کتاب خود بہ خود وجود میں آگئی ہے اور اس کا کوئی مؤلف و مصنف نہیں ہے؟ مولائے متقیان اپنی ایک مناجات میں فرماتے ہیں: انتَ الّذي في السَّماءِ عظَمَتُكَ و في الأرضِ قُدرَتُكَ، و في البحارِ عَجائبُكَ، و في الظُّلُماتِ نُورُكَ[20]؛ تو خدا وہ ہے جس کی عظمت کے شاہکار آسمان میں، قدرت کے نمونے زمین میں اور حیرت انگیز

---

[19]۔ ذاریات: ۲۱۔

[20]۔ جوشن کبیر۔

تخلیقات دریاؤں میں بکھری پڑی ہیں۔ اللہ تعالی نے بھی قرآن مجید میں واضح الفاظ میں فرمایاہے:وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ[۲۱]؛اور خود تمہاری خلقت میں بھی اور جن جانوروں کو وہ پیدا کرتا رہتا ہے، ان میں بھی صاحبان یقین کے لئے بہت ساری نشانیاں ہیں- وَ مِنْ آياتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرابٍ ثُمَّ إِذا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ[۲۲]؛اس کی نشنیوں میں سے بھی ہے کہ اس نے تمہیں خاک سے پیدا کیااور انسان بنایاپھر تم زمین پر پھیل گئے۔ اور اسی طرح سورہ مبارکہ فصلت میں ارشاد ہوا: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيد[۲۳]؛ہم اپنی نشانیوں کو دنیامیں اور انسان کے وجود میں لوگوں کو دکھلائیں گے تاکہ وہ جان لیں کہ خدا حق ہے۔ یہی وجہ تھی جب ایک شخص نے امام رضاؑ سے خدا کے وجود پر دلیل طلب کی تو آپؑ نے فرمایا:عَلِمْتُ أَنَّ لِ هَذَا الْبُنْيَانِ بَانِياً فَأَقْرَرْتُ بِهِ[۲۴]؛میں نے اپنے وجود ہستی پر نظر کی تو اس بات کا انکشاف کیا کہ کوئی اس کا خالق ہے لہذا میں نے اس کے وجود کا اقرار کر لیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اپنے آپ کو جان لے جب تک انسان اپنے آپ کو نہیں جانے گا اپنے خدا کو نہیں جان سکتا۔ کیونکہ انسان کی شناخت خداوند عزوجل کی شناخت کا مقدمہ ہے۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:عَجِبْتُ لِمَنْ يَجْهَلُ نَفْسَهُ كَيْفَ يَعْرِفُ رَبَّهُ[۲۵]؛میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر جو خود اپنے آپ سے جاہل ہے وہ خدا کو کیسے پہچانے گا۔مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ[۲۶] ؛جس نے اپنے اپنے آپ کو پہچان لیااس نے گویاخدا کو پہچان لیا۔ یامثلاً فرماتے ہیں: مَعرِفَةُ النَّفسِ أنفَعُ المَعارِفِ[۲۷]؛نفس کی پہچان بہترین معرفت ہے۔

دین کی ضرورت پر عقلی دلیل

دین کو اپنانے کا حکم انسان کی عقل بھی دیتی ہے۔ علم کلام کے محققین اس پر بہت سارے عقلی دلائل بیان کر چکے ہیں انہیں اہم دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ یہ حکمت پروردگار کا تقاضاہے۔ اس دلیل حکمت کو سمجھنے کے لئے کچھ مقدمات کا سمجھناضروری ہے:

۱۔ خدا کے صفات میں سے ایک اہم صفت، صفت حکمت ہے۔ خدا کے حکیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کبھی بھی اللہ تعالی سے بے ہودہ، بے ہدف اور عبث کام سرزد نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ انسان کی خلقت کا مقصد اور ہدف معنوی کمالات اور قرب الہی تک پہنچنا ہے۔ ہر انسان فطری طور پر کمال اور سعادت چاہتا ہے۔ خدا نے انسان کو اسی چیز کے خاطر بنایاہے، جسے وہ چاہتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک باپ اپنے کم سن بچے کے ہاتھ پکڑ کر باہر لے جائے اور بچہ پوچھے :بابا کہاں لیکر جارہے ہو؟

---

[۲۱]۔ جاثیہ: ۴۔

[۲۲]۔ روم: ۳۰۔

[۲۳]۔ فصلت: ۵۳

[۲۴]۔ کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی (ط-الاسلامیۃ)، ج۱، ص۷۸۔

[۲۵]۔ تمیمی آمدی، عبدالواحد بن محمد، غرر الحکم ودرر الکلم، جلد۱، ص۲۳۰

[۲۶]۔ مازندرانی، محمد صالح بن احمد، شرح الکافی-الأصول والروضۃ، ج۴، ص: ۱۵۳۔

[۲۷]۔ تمیمی آمدی، عبدالواحد بن محمد، غرر الحکم ودرر الکلم، جلد۱، ص۱۲۷۔

باپ: میری جان میں تجھے اس جگہ پر لے کر جارہاہوں جہاں تم شوق سے جاتے ہو۔

بچہ: وہ کونسی جگہ ہے؟

باپ: وہ آئسکریم کی دکان ہے۔

ایسی صورت میں بچہ بڑا خوش دکھائی دے گا۔ بالکل اسی طرح ہے کہ انسان فطری طور پر جس جگہ جانا چاہتا ہے وہ سعادت ابدی اور کمالات معنوی ہے۔ جہاں جانے کے لئے خدا نے اسے خلق کیا ہے؛ لہذا ہمیں بھی خوشی ہونی چاہئے اور اللہ تعالی کا شکر گزار ہونا چاہئے۔

جب معلوم ہوا کہ انسان کی خلقت کا ہدف سعادت ابدی اور کمالات معنوی ہے تو اس تک جانے کی صحیح شناخت ہونی چاہئے۔ ورنہ کبھی بھی ہم اپنے ہدف تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ انسان کی شناخت کے وسائل، ابزار اور ذرائع میں سے دو چیزیں حس اور انسان کی عقل ہے، لیکن صرف ان دو ابزار کے ذریعے خلقت کے ہدف (کمالات معنوی تک پہنچنا ہے) تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان کے ذریعے صحیح راستے کی شناخت نہیں ہو سکتی، کیونکہ کمالات معنوی اور قرب الہی کا مقام اس دنیا میں نہیں ملتا، بلکہ اس کا تعلق عالم آخرت سے ہے جو اعمال، عقل اور حس کے ذریعے ہم انجام دیتے ہیں، جیسے نماز پڑھتے ہیں یا روزہ رکھتے ہیں ان کی تاثیر کیا ہے ہمیں نہیں معلوم۔ اس جہاں میں عبادت کا اور کمال معنوی کا تعلق انسان کو معلوم نہیں ہوتا۔ نہج البلاغہ میں آیا ہے کہ جس وقت امیر المومنینؑ منصب خلافت پر تھے ایک شخص جس کا نام اشعث بن قیس تھا حلوا بنا کر حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کا مقصد امیر المومنینؑ کو حلوا دے کر اپنا کام کرانا تھا۔ علیؑ نے پوچھا یہ تم کیا لے کر آئے ہو؟ جواب میں اشعث بن قیس نے کہا یہ ہدیہ ہے۔ امام علیؑ نے فرمایا: جو لوگ رشوت کھاتے ہیں قیامت کے دن ان کا کھانا سانپ کی الٹی کی ہوئی چیز ہو گی اور اسی کو وہ چاٹنے پر مجبور ہو گا۔ یہاں امامؑ نے رشوت کی تاثیر بیان کی ہے، گرچہ دنیا میں ظاہری طور پر دیکھا جائے تو رشوت اچھی چیز ہے، جس سے اپنی ضروری چیزیں خرید سکتے ہیں، لیکن جن کی برزخ کی آنکھ کھلی ہو، دل اور بصیرت کی آنکھیں کھلی ہوں وہ رشوت جیسی چیزوں کا عکس العمل اور تاثیر کو اسی دنیا میں دیکھ لیتے ہیں۔ جب ان حقیقتوں کا انسان کو علم ہو جاتا ہے تو پھر کبھی بھی اور کسی بھی قیمت پر ایسے عمل میں مرتکب نہیں ہوتے، چونکہ ایسا عمل انسان کو کمالات معنوی اور قرب الہی سے دور کرتا ہے۔

لہذا ہم اپنی عقل اور حس کے ذریعے عالم آخرت کے بارے میں نہیں جانتے، ہماری عقل نہیں سمجھ سکتی کہ والدین کا احترام کرنے کا صلہ کیا ہے، لہذا وہ خدا جس نے ایک خاص ہدف کے خاطر انسان کو خلق کیا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ درست راستے کی بھی نشاندہی کرے، کیونکہ اگر صحیح راہ کی نشاندہی نہ کرے تو اس کی حکمت پر سوال اٹھے گا اور یہ نقض غرض کا سبب بنے گا۔ اس راہ کی نشاندہی کے لئے دین کا ہونا ضروری ہے اور دین کو ہم تک پہنچانے کے لئے پیغمبروں کا ہونا بھی ضروری ہے۔

نیوٹن اور ایک مادی دانشمند کا دلچسپ مناظرہ

مشہور ستارہ شناس اور ریاضی دان نیوٹن نے ایک ماہر مکینک سے کہا کہ ایک چھوٹا سا سانچہ، منظومہ شمسی کے لئے تیار کرو اس منظومہ کے سیارات چھوٹے چھوٹے گیند تھے جو ایک تسمہ سے بندھے ہوئے تھے اور ان کے لئے ایک ہنڈل بنایا گیا تھا جب اس کو جلاتے تھے تو نہایت ہی دلکش کیفیت میں وہ سارے گیند اپنے اپنے مدار پر گردش کرتے تھے اور اپنے مرکز کے آرد گرد چکر لگاتے تھے۔ ایک دن نیوٹن اپنے مطالعہ کی میز کے پاس بیٹھا تھا اور یہ سانچہ بھی وہیں رکھا تھا۔ اس کا ایک قریبی دوست جو مٹریالیزم کا مفکر و دانشمند تھا جیسے ہی اس کی نگاہ اس خوبصورت سانچہ پر پڑی وہ حیران رہ گیا اور جب نیوٹن نے اس ہنڈل کو گھمایا اور وہ سارے سیارات بہت ہی آہستہ اور دلکش انداز میں اپنے مرکز کے آرد گرد چکر لگانے لگے تو اس کی حیرانی میں اور اضافہ ہو گیا اور چیخ پڑا، ارے واہ، یہ تو بہت ہی حیرت انگیز چیز ہے اس کو کس نے بنایا ہے؟ نیوٹن نے کہا کسی نے نہیں، یہ بیک وقت بن کر تیار ہو گیا ہے، اس مادی مفکر نے کہا: نیوٹن صاحب آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں نرا پاگل ہوں یہ سانچہ خود بخود کیسے بن سکتا ہے کیا یہ ممکن ہے! نہ صرف یہ کہ اس کا بنانے والا کوئی ہے بلکہ اس کا بنانے والا عصر حاضر کا نابغہ ہے نیوٹن آہستہ سے اٹھا اور اس مفکر کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا میرے اچھے دوست جو تم دیکھ رہے ہو وہ صرف ایک سانچہ ہے جو ایک عظیم نظام شمسی کے تحت بنایا گیا ہے! اور تم اس بات پر بالکل راضی نہیں ہو کہ یہ خود بخود بن گیا ہے تو تم اس بات کو کیسے مان لیتے ہو کہ خود نظام شمسی اپنی تمام تر وسعت و پیچیدگی کے ساتھ بغیر کسی عاقل و قادر کے وجود میں آ گیا؟ مادی مفکر بہت شرمندہ ہوا اور لاجواب ہو کر رہ گیا جی ہاں یہ وہی برہان نظم ہے جو قادر و توانا خدا کے وجود پر دلیل ہے۔[۲۸]

علم کلام اور فلسفے میں کچھ اہم دلیلیں بیان ہوئی ہیں جو عقلی ہیں کتاب کے اس حصے میں ان میں سے کچھ دلیلوں کو مختصر کر کے آسان اردو میں اپنے محترم قارئین کرام کی خدمت میں بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

۱۔ برہان علت و معلول یا امکان و وجوب

ہر انسان دنیا میں کسی نہ کسی کا محتاج ہے اور یہ احتیاج کسی مرحلے میں جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا میں کوئی ہے جو مستقل اور قائم بالذات ہے جو کسی کا محتاج نہیں ہے؛ یعنی ہر شیئ اس کی محتاج ہے لیکن وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ علت و معلول کا سلسلہ کسی ایسے علت پر ختم ہو گا جو خود کسی کا معلول نہ ہو گ اور خود اس کا وجود اس کا اپنا ذاتی وجود ہو گا۔[۲۹] سورہ مبارکہ فاطر میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ [۳۰]؛ اے لوگوں تم سب خدا کے محتاج ہو اور وہ بے نیاز اور لائق حمد و ثناء ہے۔

---

[۲۸]۔ قائنی، شیخ اصغر علی، اصول عقائد، مترجم: سید مبین حیدر رضوی، ص ۷۰۔

[۲۹]۔ دہقان، اکبر۔ مترجم: محمد وزیر حسن، ص ۲۳۔

[۳۰]۔ فاطر: ۱۵۔

اسی طرح سورہ طور میں فرماتا ہے:أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخالِقُونَ [۳۱]؛کیا یہ لوگ کسی چیز کے بغیر خلق ہوئے ہیں یا یہ لوگ خود ہی خالق ہیں۔

۲۔برہان حرکت

برہان حرکت اس برہان کو کہتے ہیں جس میں ہر شیئ کی حرکت کسی محرک (حرکت دینے والے) کی محتاج ہو اور اگر وہ محرک خود ثابت نہ ہو بلکہ اس میں حرکت پائی جاتی ہو تو تسلسل لازم آئے گا اور علم کلام (عقائد) میں تسلسل عقلا محال ہے لہذا حرکتوں کا سلسلہ ایسے محرک (حرکت دینے والے) پر ختم ہونا چاہئے جو خود متحرک نہ ہو [۳۲]۔ حضرت ابراہیمؑ نے آفتاب، ماہتاب اور ستاروں کے غروب ہو جانے کو اپنے لئے دلیل بنایا کہ ان میں سے کسی میں خدا ہونے کی صلاحیت نہیں ہے اس لئے کہ یہ چیزیں مستقل نہیں ہیں اور ان کے تغیر و تبدل کا مطلب یہی ہے یہ سب پہلے نہیں تھے بلکہ حدوث زمان کے ساتھ ساتھ یہ بھی حادث ہوئے ہیں تو ان کا حادث ہونا بتاتا ہے کہ خالق کوئی اور ہے جس نے ان سب کو وجود کا پیکر بخشا ہے۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأى كَوْكَبًا قَالَ هَذا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ [۳۳]؛جب تاریکی چھا گئی تو ستاروں کو دیکھا اور فرمایا: کیا یہ میرا خدا ہے لیکن جب ستارہ ڈوب گیا تو فرمایا: میں ڈوب جانے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

۳۔برہان صدیقین

برہان صدیقین سے مراد وہ دلیل ہے کہ جس سے ذات خداوندی تک رسائی حاصل ہو سکے۔ جس سے اس کی ذات کے وجود کو ثابت کر سکیں اور اس ذات کو ثابت کرنے کے لئے کسی دوسرے مخلوق کے واسطے کی ضرورت نہ ہو۔ اس برہان کا تعلق ان افراد سے ہے جو انسان کامل ہیں اسی لئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں: خود خدا کی ذات اپنے وجود کو ثابت کرنے کے لئے بہترین دلیل ہے۔ یا من دل علی ذاتہ بذاتہ ؛ اے وہ جو خود اپنی ذات پر آپ دلیل و گواہ ہے۔ شہد اللہ انہ لا الہ الا اللہ۔۔۔؛ خدا گواہی دے رہا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، فرشتے اور صاحبان علم بھی گواہی دے رہے ہیں کہ وہ عدل کے ساتھ قائم ہے۔أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ [۳۴]؛کیا خدا کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ ہر شیئ پر شاہد اور گواہ ہے؛لہذا خدا کو جب انسان پہچان لے گا تو اس پر ایمان لائے گا۔

ایمان اور اس کے آثار

ہر انسان کی کچھ خواہشیں ہوتی ہیں جن کے لیے وہ زندگی کر رہا ہوتا ہے۔ انسان اس وقت خوشحال زندگی گزار سکتا ہے جب وہ اپنے ان خواہشات کو افراط و تفریط سے بچا کر تعادل کے راستے پر رکھے۔ ٹھیک ہے خود خواہی اور خود کو چاہنا انسان کی زندگی کی بنیاد ہوتی ہے۔ خود خواہی اور

---

[۳۱]۔طور: ۳۵۔

[۳۲]۔دہقان، اکبر۔ مترجم: محمد وزیر حسن، ص ۲۴، ناشر: مرکز فرہنگی درسہائی از قرآن تہران: ۱۳۷۵۔

[۳۳]۔انعام: ۷۶۔

[۳۴]۔آل عمران: ۱۸

اپنے آپ کو چاہنا ایک اچھی چیز ہے۔ اگر خود خواہی نہ ہو تو انسان کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ ایک انسان اپنے آپ کو زندگی کے خطرات کے موڑ سے اس وقت بچائے گا جب وہ اپنے آپ کو چاہتا ہو گا، اگر انسان سے اپنی چاہت کی حس ختم ہو جائے تو کبھی بھی وہ اپنے آپ کو فنا ہونے سے نہیں بچائے گا۔ اگر کوئی شخص ٹریفک کے بیچ سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے روڈ کراس کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو چاہتا ہے اگر یہی چاہت ہر جگہ میں رہے، اس پر کنٹرول نہ کریں تو ایسی صورت میں معاشرے میں عدالت نامی کوئی چیز نظر نہیں آئے گی اور نتیجے میں پھر نا امنیتی اور بربادی انسان کی مقدر بن جائے گی، لیکن اگر اس چاہت پر ہم کنٹرول کریں اور اسکو افراط و تفریط سے بچاتے ہوئے درمیانی راستے کو اختیار کریں تو ہماری دنیاوی زندگی اچھی ہونے کے ساتھ ساتھ اخروی زندگی بھی سنور سکتی ہے۔

اس وقت دنیا میں ہمیں جو بے عدالتی نظر آرہی ہیں وہ انہیں خواہشوں کو متعادل راستے سے ہٹا کر افراط و تفریط کے راستے سے تکمیل کرنے کی وجہ سے ہے۔ آج اقوام متحدہ کا وہ ادارہ جسے انصاف اور عدالت کے لیے بنایا گیا تھا، اسی ادارے سے بے انصافی اور بے عدالتی کے چشمے پھوٹتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ آب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مشکل کیسے حل ہو، انسان اپنی خواہشوں کو کس طرح کنٹرول کرے؟

چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں عصر حاضر کا انسان خواہ جس کا تعلق جس مذہب سے ہو عدالت کے خواہاں اور تشنہ ہے۔ دنیا والوں کی بے عدالتی سے اور قتل وغارت سے لوگ تنگ آچکے ہیں۔ ایسے میں کسی ایسی راہ کی تلاش میں ہیں جس سے انسان اپنی خواہشوں پر کنٹرول کر سکے۔ جی ہاں! اس کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے **احساس مسئولیت**، یعنی ہم یہ احساس کریں کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں خدا دیکھ رہا ہے، خدا کی نظر سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہے ،اگر ہم نیک کام انجام دیں تو خدا ہمیں ثواب سے نوازے گا اور اگر گناہ کریں تو خدا ہمیں سزا دے گا۔

نتیجہ:

گزشتہ ابحاث کو اگر ہم چند سطروں میں خلاصہ کرنا چاہیں تو اس طرح کر سکتے ہیں۔

- ✓ امور فطری اور غیر فطری میں بنیادی فرق یہ ہے:

۱۔ ہر وہ فکر یا عمل جس کا ریشہ اور بنیاد، جہانی ہو اس پر امور فطری کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

۲۔ فطری امور تعلیم و تعلم کے محتاج نہیں ہوتے۔

۳۔ قومیت، زبان، ثقافت اور فرہنگ امور فطری پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

۴۔ زمانے کی تبدیلی بھی فطری امور پر اثر انداز نہیں ہوتی ہے، مثلاوہ ایک صدی میں ہوں اور دوسری صدی میں نہ ہوں ایسا ممکن نہیں ہے۔

۵۔ فطرت کے خلاف اگر کوئی تبلیغ کرے تو فطری امور کے رشد و نمو میں کمی تو آسکتی ہے؛ لیکن ان امور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ممکن نہیں ہے۔ جب کہ غیر فطری امور میں یہ خصوصیات نہیں پائی جاتی ہیں۔

- ✓ خدا کی طرف مائل ہونا اور خدا کے وجود کا احساس کرنا ایک باطنی اور فطری امر ہے۔

- ✓ خدا کی ذات اور حقیقت کو ہم درک نہیں کر سکتے۔ اس لیئے کہ ذات الٰہی کے علاوہ باقی ساری چیزیں مخلوق خدا ہیں اور جو مخلوق ہے وہ محدود ہوتی ہے۔ خدا کی ذات لا محدود ہے، لہذا انسان جو محدود ہے لا محدود ذات پروردگار کو درک نہیں کر سکتا۔
- ✓ خدا شناسی کا آسان راستہ جہان میں خدا کی آیات پر غور و فکر اور قرآن کی تعبیر کے مطابق آیات الٰہی میں تفکر کرنا ہے۔
- ✓ خدا کے وجود کو ہم بہت سارے دلائل عقلی و نقلی کے ذریعے ثابت کر سکتے ہیں۔ دلائل عقلی میں سے اہم ترین دلائل یہ ہیں: برہان علت و معلول، برہان حرکت، اور برہان صدیقین۔

منابع و مصادر

قرآن کریم:

نہج البلاغہ:

۱) استادی، شیخ رضا، اصول عقاید، انتشارات دلیل ما، چاپ ششم: بہار ۱۳۹۱۔

۲) قرائتی، محسن، تلخیص اصول عقاید، ناشر: ستاد مردمی پیشگیری و حفاظت اجتماعی، تہران: مرکز فرہنگی درسیاہی از قرآن، ۱۳۸۶۔

۳) طباطبائی محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، چ پنجم، قم، دفتر انتشارات اسلامی، ۱۴۱۷ق۔

۴) شیروانی، علی، درسنامہ عقاید، ناشر: مرکز بین المللی ترجمہ و نشر المصطفی ﷺ، ۱۳۸۹۔

۵) مازندرانی، محمد صالح بن احمد، شرح الکافي-الأصول والروضة، ناشر: ناشر: المکتبة الإسلامیة، ۱۳۸۲ق۔

۶) وہادی صادقی، درآمدی بر کلام جدید، ناشران کتاب طہ و نشر معارف، نوبت ششم، تابستان ۱۳۱۹۔

۷) کلینی، محمد بن یعقوب، الکافي (ط-الإسلامیة)، ناشر: دار الکتب الإسلامیة، تھران، ۱۴۰۷ق۔

۸) تمیمی آمدی، عبد الواحد بن محمد، غرر الحکم و درر الکلم، دفتر تبلیغات، ایران؛ قم، ۱۳۶۶ش۔

۹) قائمی، شیخ اصغر علی، اصول عقائد، مترجم: سید مبین حیدر رضوی، ناشر: مجمع جہانی اہل بیت، ۱۴۲۷۔

۱۰) دہقان، اکبر۔ مترجم: محمد وزیر حسن، ناشر: مرکز فرہنگی درسہائی از قرآن تہران: ۱۳۷۵۔